Journal of Religion & Society **(JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems
https://doi.org/10.5281/zenodo.21787510

Islamic and Modern Economic Models: A Comparative Study

اسلامی اور جدید معاشی ماڈلز؛ایک تقابلی مطالعہ

Muhammad Rahman
MS. Scholar, Department of Islamic Studies, Bahria University, E8 Islamabad.
mr3342663@gmail.com
Dr Rahim Ullah
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Bahria University E8 Islamabad.
rahim.buic@bahria.edu.pk
Sadheer Khan (Mufti Muhammad Hassan)
Phd Scholar, International Islamic University Malaysia
mh417884@gmail.com

Abstract
This study presents a comprehensive comparative analysis of economic development through two distinct paradigms; Islamic and modern economic models. In the contemporary era of globalization and rapid technological change, the research critically examines modern economics its focus on GDP growth, liberalization, and market capitalism alongside Islamic economics grounded in the Qur'an and Hadith. Core Islamic principles such as prohibition of Riba "interest", Zakat "obligatory charity", ethical investment, and social welfare are explored as mechanisms for justice and stability. The study highlights how integrating Islamic ethical foundations into modern frameworks can address income inequality, promote equitable wealth distribution, and ensure sustainable growth. It concludes by offering a moral and practical roadmap for economists, and policymakers to harmonize material progress with social justice, fostering inclusive and resilient global economies.
Keywords:*Islamic economics, modern economic development, comparative study, economic justice, sustainability, Zakat, Riba prohibition, social equity.*

تمہید

انسانی تاریخ کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ معیشت ہمیشہ سے انسانی معاشروں کی تشکیل استحکام اور ترقی میں بنیادی کردار ادا کرتی رہی ہے۔ معاشرتی نظام کی بقا اور ریاستی ڈھانچے کی مضبوطی کا انحصار ایک منصفانہ اور متوازن معاشی نظام پر ہوتا ہے۔ معاشی وسائل کی منصفانہ تقسیم، انسانی محنت کا اعتراف، اور سماجی انصاف کی فراہمی کسی بھی معاشی نظام کی کامیابی کے بنیادی اصول ہیں۔ دنیا کے مختلف ادوار میں معیشت کے مختلف ماڈلز سامنے آئے، جنہوں نے اپنے اپنے فکری، نظریاتی اور اخلاقی پس منظر کے مطابق انسانی سماج کو متاثر کیا۔ جدید دور میں سرمایہ دارانہ "Capitalist" اور اشتراکی "Socialist" نظام معیشت دو نمایاں ماڈلز کے طور پر سامنے آئے، جنہوں نے دنیا کی معیشتوں اور معاشرتی ڈھانچوں پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ تاہم، ان دونوں ماڈلز میں انسانی فلاح و بہبود سے زیادہ مادی مفادات اور طبقاتی ترجیحات کو اہمیت دی گئی، جس کے نتیجے میں دولت کی غیر منصفانہ تقسیم، معاشرتی ناہمواری اور اخلاقی زوال جیسے مسائل جنم لیتے رہے۔ اسلامی معیشت ان تمام ماڈلز سے مختلف ایک ایسا جامع اور متوازن نظام پیش کرتی ہے جو نہ صرف اقتصادی ترقی پر زور دیتا ہے بلکہ اخلاقی، سماجی اور انسانی قدروں کو بھی پیشِ نظر رکھتا ہے۔ اسلام میں معیشت محض مادی وسائل کے حصول کا ذریعہ نہیں بلکہ عبادت کا ایک پہلو ہے، جس میں انسان کو ذمہ داری، عدل، دیانت اور اعتدال کے اصولوں کا پابند بنایا گیا ہے۔ اسلامی معیشت کا بنیادی مقصد معاشی خوشحالی کے ساتھ ساتھ انسانی برابری، وسائل کی منصفانہ تقسیم اور سماجی انصاف کو یقینی بنانا ہے۔ اسلام دولت کے ارتکاز کی مخالفت کرتا ہے اور اسے معاشرے میں مسلسل گردش میں رکھنے کی تلقین کرتا ہے تاکہ دولت چند ہاتھوں میں محدود نہ رہے۔ اسی طرح اسلامی نظامِ معیشت کے بنیادی ستونوں میں زکوٰۃ، صدقات، عشر، خراج، اور بیت المال جیسے ادارے شامل ہیں، جو وسائل کی منصفانہ تقسیم اور غریب طبقے کی مالی معاونت کے ذریعے معاشرتی توازن پیدا کرتے ہیں۔ اس

کے برعکس، جدید سرمایہ دارانہ نظام میں دولت کی تقسیم منڈی کی قوتوں "Market Forces" اور طلب و رسد کے اصولوں کے تابع ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں امیر اور غریب کے درمیان فاصلہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ دوسری جانب اشتراکی نظام میں ریاستی اجارہ داری اور انفرادی آزادیوں کی نفی نے انسانی فطرت اور محنت کے حقیقی محرکات کو دبایا، جس کے باعث یہ نظام بھی پائیدار ثابت نہ ہو سکا۔اسلامی معیشت ایک ایسا توازن فراہم کرتی ہے جو ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ایک معتدل اور منصفانہ راستہ ہے۔ یہ نظام انسان کو دولت کے استعمال میں آزاد تو رکھتا ہے، مگر اس آزادی کو اخلاقی حدود اور اجتماعی ذمہ داری کے ساتھ مشروط کرتا ہے۔ اسلام میں پیداوار، تجارت اور سرمایہ کاری کو ترغیب دی گئی ہے، لیکن اس کے ساتھ سود "Interest" اور جوا "Gambling" جیسے غیر اخلاقی ذرائع کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ اس طرح اسلامی نظام معیشت میں دولت کا بہاؤ حلال ذرائع سے ہوتا ہے اور اس کا مصرف بھی انسانی فلاح کے مقاصد کے مطابق متعین کیا جاتا ہے۔ جدید دور میں جب عالمی معیشت سرمایہ دارانہ نظام کی گرفت میں ہے، تو اس کے نتیجے میں دنیا معاشی بحرانوں، بے روزگاری، افراطِ زر، قرضوں کے بوجھ، اور طبقاتی تفاوت جیسے مسائل سے دوچار ہے۔ ان مسائل کے حل کے لیے اسلامی معیشت کے اصول ایک جامع اور پائیدار متبادل فراہم کرتے ہیں۔ اسلامی بینکاری سود سے پاک سرمایہ کاری، مضاربہ، مشارکہ اور تکافل جیسے ادارے اس بات کا ثبوت ہیں کہ اسلامی اصول جدید دنیا
میں بھی نہ صرف قابل عمل ہیں بلکہ ایک منصفانہ اور پائیدار اقتصادی نظام کے لیے رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

اس تحقیقی مطالعے کا مقصد اسلامی اور جدید معاشی ماڈلز کے بنیادی اصولوں ساخت اور نتائج کا تقابلی جائزہ لینا ہے۔ اس تحقیق میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ اسلامی نظام معیشت جدید دنیا کے معاشی چیلنجز سے نمٹنے کے لیے کس قدر مؤثر اور قابل عمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی دیکھا جائے گا کہ جدید سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام نے کن عوامل کے باعث انسان کو حقیقی معاشی امن اور اطمینان دینے میں ناکامی کا سامنا کیا۔ اس مطالعے کے ذریعے اسلامی معیشت کے ان اصولوں کو نمایاں کیا جائے گا جو انسانی فلاح معاشرتی توازن اور اخلاقی ترقی کے ضامن ہیں۔

1)۔۔۔اقتصادی انصاف اور مروجہ اقتصادی نظام:

اقتصادی انصاف سے مراد ایسا معاشی اصول ہے جس میں معاشرے کا ہر فرد اپنی اہلیت اور محنت کے مطابق معاشی طور پر حصہ دار ہوتا ہے۔ اس کا مقصد معاشی ناانصافیوں کا خاتمہ استحصال کو روکنا اور ایک ایسا نظام قائم کرنا ہے، جس میں کوئی فرد یا جماعت دولت کے ذرائع یا وسائل پر قابو پا کر چند ہی ہاتھوں میں سمیٹ سکنے کے قابل نہ رہے اور نتیجتا لوگوں کے درمیان معاشی توازن قائم رہ سکے۔ لہذا ہر فرد اقتصادی انصاف کی بنیاد پر یہ بنیادی حق رکھتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے وہ معاشی میدان میں پیچھے رہ گیا ہے تو اسے بھی اس کا معاشی حق دیا جائے۔

جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

"نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَ رَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ"

ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا ہے اور ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر کئی درجے بلند کیا ہے تاکہ ان میں ایک دوسرے کو اپنا خادم بنائے اور تمہارے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کر رہے ہیں۔

اس حوالے سے چند نظام موجود ہیں جن کا یہاں ایک جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

اسلامی نظام معیشت{ISLAMIC ECONOMIC SYSTEM}

اسلام ایک ایسا نظام ہے جو صرف اقتصادی ہی نہیں بلکہ مکمل نظام حیات ہے جو انسانی فطری تقاضوں کے عین مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ فلاح انسانی کا بھی ضامن ہے، انسان کے روحانی اور مادی تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے۔ معاشرت ہو معیشت ہو یا سیاست ان تمام شعبوں میں اسلام نے عدل و انصاف پر مبنی راہنما اصول دیے ہیں جن میں معیشت بھی شامل ہے، جس کے لیے ایسے رہنما وصول فراہم کیے گئے ہیں، جن کی پیروی کرتے ہوئے ہر دور میں ایک عادلانہ منصفانہ اور قابل نفاذ نظام وضع کیا جاسکتا ہے۔ فرمان باری تعالٰی ہے:

"اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ[1]"

انصاف کرو، یہ پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو

[1]القرآن 8/5۔

اسلامی اقتصادی نظام میں اقتصادی عدل وانصاف سے افراد معاشرہ کی معاشی سرگرمیوں رہائش، کاروبار، مال و دولت، لباس، خوراک اور دیگر معاملات وغیرہ کا مساوی ہونا مراد نہیں ہے۔ مثلاً جتنا ایک فرد کے پاس مال و دولت ہے معاشرے کے ہر فرد کے پاس اتنا ہی ہو اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہے کیونکہ معاشرے کے ہر فرد کی ذہنی استعداد اور کام کرنے کی مہارت ایک جیسی نہیں ہے اور ایسی مساوات کا حصول ایک غیر فطری اور نا قابل عمل امر ہے جو کہ اسلام کے بنیادی اصولوں کے بھی متصادم ہے۔

لہذا اس باب میں اقتصادی انصاف سے مراد قومی پیداواری وسائل اور ذرائع ہیں جن سے استفادے کا حق اسلامی معاشرے کا ہر ہر فرد رکھتا ہے۔ اگرچہ اس حق کے استعمال میں کوئی فرد اپنی صلاحیت اور محنت کی وجہ سے دوسرے سے آگے بڑھ جائے تو وہ اس کی صلاحیت اور محنت کا نتیجہ ہے۔

جدید معاشی ماڈل 1)

سرمایہ دارانہ نظام{CAPITALISM}

دنیائے معاش کا ترقی یافتہ یہ نظام انفرادپسندی کے اصول پر قائم ہے۔ اسے عدم مداخلت کا نظام یا آزادانہ معاشی نظام بھی کہتے ہیں۔

"Capitalism also called free market economy or free enterprise economic system"[2]

سرمایہ دارانہ نظام ایک ایسا معاشی ڈھانچہ ہے جو فرد کی اقتصادی آزادی، نجی ملکیت اور منڈی کی قوت محرکہ پر استوار ہے۔ اس نظام کے مطابق جب منڈی کو ریاستی مداخلت سے آزاد رکھا جائے اور ہر فرد کو معاشی سرگرمیوں میں آزادی حاصل ہو تو معیشت کی مجموعی ترقی اور استحکام ممکن ہوتا ہے۔ جبکہ اس نظام کا گہرائی سے تجزیہ کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ سرمایہ داری میں اقتصادی انصاف کا تصور ایک نظری مفروضہ ہے، جو عملی دنیا میں نہایت کمزور بنیادوں پر قائم ہے۔ جس کے لیے اس نظام کی نظریاتی اساس سے آگاہی بے حد ضروری ہے جو اس کے فرضی دعویٰ انصاف سے نقاب کشائی کرتی نظر آتی ہیں۔

(الف) سرمایہ دارانہ نظریاتی اساس:

سرمایہ دارانہ فکر کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ ہر فرد اپنی عقل، محنت اور قابلیت کے بل بوتے پر ترقی کر سکتا ہے بشرطیکہ ریاستی مداخلت نہ ہو۔ تاہم یہ آزادی حقیقی معنوں میں صرف ان افراد کو حاصل ہوتی ہے جو پہلے ہی وسائل اور سرمائے کے مالک ہیں۔ معروف ماہر اقتصادیات تھامس "Thomas Piketty" اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ سرمایہ داری میں دولت کا ارتکاز مسلسل بڑھتا ہے اور اقتصادی طور پر عدم انصاف اس قدر شدید ہو جاتا ہے کہ آزادی صرف اور صرف اشرفیہ کی حد تک محدود رہ جاتی ہے۔

> Capitalism automatically generates arbitrary and unsustainable inequalities that radically undermine the meritocratic values on which democrates scienties are based[3]

> سرمایہ داری ایسا نظام ہے جو خود ہی غیر منصفانہ اور غیر مستقل فرق کرپیدا کرتا ہے، جو جمہوری معاشروں کی میرٹ پر مبنی اقدار کو نقصان پہنچاتا ہے۔

(ب) سرمایہ دارانہ ارتکاز دولت:

سرمایہ داری کا سب سے بڑا معاشی تضاد دولت کا شدید ارتکاز ہے۔ چونکہ نفع Profit ہی اس نظام کی محرک قوت ہے لہذا سرمایہ صرف ان شعبوں اور طبقات میں مرتکز ہو جاتا ہے جو منافع بخش ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ امیر مزید امیر اور غریب مزید غریب ہو جاتا ہے۔ معاشی ترقی کا راستہ اشرافیہ کے لیے کھلا رہتا ہے جبکہ نچلے طبقات اس دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

> "سرمایہ داری نے انسانی زندگی کو محض مادی کامیابی اور ذاتی مفاد کی بنیاد پر استوار کر دیا ہے، جہاں اخلاقی قدریں اور فلاح عامہ کی روح بتدریج ختم ہوتی جارہی ہے"[4]

(ج) مادیت پرستی سرمایہ دارانہ نظام کی روح:

---

[2] The New Encyclopaedia of Britanica vl 1:2, page: 832,5th edition USA 2007

[3] Thomas Piketty, Capital in the Twenty-First Century,(Harvard University Press, 2014)1/171.

[4] ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات (لاہور: ادارۂ ترجمان القرآن، 1995) 112/1۔

سرمایہ دارانہ نظام میں انسانی ضرورتوں کو محض مادی معیارات پر ناپا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں معاشرتی ذمہ داریوں اور اخلاقی اقدار کی اہمیت مفقود ہو جاتی ہے۔ جبکہ اقتصادی انصاف کا تقاضہ ہے کہ فرد کی مجموعی فلاح کو مد نظر رکھا جائے نہ کہ صرف اس کی مادی خواہشات کو لہذا سرمایہ دارانہ نظام اپنی فطرت میں اقتصادی انصاف کے بنیادی اصولوں سے متصادم نظر آتا ہے۔ پروفیسر عبد الحمید ڈار لکھتے ہیں:

"نظام سرمایہ داری مادی فلسفہ حیات سے ماخذ ہے اس نظریہ کے مطابق حیات و کائنات کی اصل مادہ ہے، مادہ سے ماورا یہاں کچھ بھی نہیں ہے اس لیے انسان کی جدوجہد کا مرکز و محور مادی احتیاجات کی تسکین ہی ہونی چاہیے[5]"

(د) نظام سرمایہ داری اور خواہشات:

سرمایہ داروں کی زندگی کا مقصد کائنات پر اپنی خواہشات کو مسلط کرنا ہے۔ نیز سرمایہ دار کا مقصد اپنی آزادی کو بڑھانا اور دنیا کی تمام قوتوں کو اپنی مرضی کے مطابق زیر تسلط لانا ہوتا ہے تاکہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرسکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سرمایہ دار اپنے مفادات کے لیے سماجی اور معاشی انصاف کو نظر انداز کرتا ہے۔ جاوید اکبر انصاری لکھتے ہیں:

"ہر وہ شخص سرمایہ دار ہے جس کی زندگی کا مقصد کائنات پر اپنی خواہشات کو مسلط کرنا ہوتا ہے۔ اور ہر سرمایہ دار کی زندگی کا مقصد اپنی آزادی کو ترقی دینا ہوتا ہے تاکہ کائنات کی تمام قوتوں کو مسخر کر کے اس کی تمام خواہشات نفسانی پوری کی جاسکیں[6]"

سرمایہ دارانہ نظام نے فرد کو اجتماعی تعلقات سے بے گانہ کر کے افراد کو ایک ایسی مادی دنیا میں مقید کر دیا ہے، جہاں اس کی معاشرتی ذمہ داریاں اخلاقی اقدار اور انسانیت کی بنیادیں فراموش ہو چکی ہیں۔ اس نظام کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ یہ انسان کو اپنے نفع اور فائدے کی فکر میں اس حد تک غرق کر دیتا ہے کہ وہ دوسروں کی تکالیف، معاشرتی و معاشی انصاف اور اخلاقی اصولوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس سے پیدا ہونے والی معاشرتی برائیاں جیسے کہ غربت، محرومی اور استحصال نہ صرف فرد بلکہ پورے معاشرے کے اخلاقی بگاڑ کا سبب بنتی ہیں۔ سرمایہ داری کے اس مادی فلسفے بے لگام آزادی اور بے قید ملکیت نے انسان کے لیے ہر قسم کی ہمدردی، تعاون یا خیر خواہی کی جگہ کو خالی چھوڑ دیا ہے۔ نتیجتاً اس کے اثرات معاشرتی عدم توازن، غیر منصفانہ تقسیم جیسی خرابیوں کی شکل میں سامنے آتے ہیں۔

جدید معاشی ماڈل 2)

اشتراکی نظام {SOCIALISM}

سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں اشتراکیت معاشی ناہمواریوں اور غیر منصفانہ اقتصادی نظام کا حل کچھ اس طرح لیے میدان میں اتری کہ جب تک پیداوار کے وسائل ریاست کی تحویل میں نہیں ہوں گے، اور نجی ملکیت کا خاتمہ نہیں کیا جائے گا، اس وقت تک اقتصادی انصاف اور سماجی مساوات کا قیام ممکن نہیں۔ اشتراکی فکر اس بات پر زور دیتی ہے کہ ہر فرد کو بلا امتیاز بنیادی ضروریات زندگی جیسے: خوراک لباس اور رہائش تک مساوی رسائی حاصل ہونی چاہیے تاکہ ایک استحصالی طبقاتی اور غیر منصفانہ نظام کی بجائے ایک مساوی اور عادلانہ معاشرہ تشکیل دیا جاسکے۔ لیکن میدان عمل میں سرمایہ دارانہ نظام کی طرح اس کے پلڑے میں بھی سوائے فرضی نعروں کی کچھ نہیں تھا بجائے معاشی انصاف کے قیام کے نادار اور مزدور کا اس قدر استحصال کیا کہ اس کے خون پسینے سے کمائی گئی محنت پر حکومت کو قابض کیا اور اس کے حق کو سلب کر کے انسان کو ایک ایسا نظریہ دیا کہ جس سے انسان کی فطری عظمت انفرادیت آزادی فکر اور اخلاقی اقدار کچل دی گئیں اور انسان کی حیثیت صرف خام مال کی طرح رہ گئی۔ مسعود عالم ندوی تحریر کرتے ہیں:

"اس نظام نے انسانی شخصیت کے ارتقاء کے امکان کو ختم کر دیا اور افراد کو مواد خام کی حیثیت دے دی جہاں انسانوں کی منصوبہ بندی ہوتی ہے اور ایک منتخب گروہ انسانوں کو لوہے کے پرزے یا چمڑے کے جوتوں کی طرح ڈھالتا اور بناتا ہے[7]"

معلوم ہوا کہ اشتراکیت نے انسان کو انصاف کی فراہمی تو در کنار اس کے مقام اور شرف کی نفی کر کے اسے روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ دے دیا جس کے بدلے انسان سے اس کی دینی شناخت، اخلاقی نظریات اور فرد کی شخصی خود مختاری کو بھی سلب کر لیا گیا۔ علامہ شمس الحق افغانی لکھتے ہیں: انسان کی اصلی شرافت اس کی حریت اور فکر و عمل ہے۔ اگر یہ حریت نہ ہو تو انسان مقام شرف انسانیت سے گر کر ایک حیوان بن جاتا ہے۔ اور حیوان کیا ہے وہ ہمارے اختیار کے مطابق چلتا ہے پھر ہم اس کو گھاس و دانہ

---

[5] عبد الحمید ڈار، اسلامی معاشیات (لاہور: علمی کتاب خانہ، 2007) 1/98۔

[6] جاوید اکبر انصاری، سرمایہ داری کے نقیب (لاہور: لیگسی بکس، 2019) 1/24۔

[7] مسعود ندوی، اشتراکیت اور اسلام (لاہور: ادارہ معارف، 1993) 1/153۔

وغیرہ کھلاتے ہیں، اسی طرح کمیونزم انسان سے اپنے اختیار کے مطابق کام لیتا ہے اور پھر اس کے بدلے روٹی اور کپڑے کا بندوبست کر دیتا ہے۔ اس طریقے سے انسان کے فکر و عمل کی آزادی اور اختیار ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔[8]

جدید معاشی ماڈل3)

کینزی معاشیات(Keynesian Economics)

کینزی معاشیات معاشی نظریات کا ایک مجموعہ ہے جسے مشہور ماہر معاشیات جان مینارڈ کینز(جون 1883ء کو کیمبرج، انگلستان میں پیدا ہوئے اور 21 اپریل 1946ء کو فرل، سسیکس میں وفات پائی) نے اپنی کتاب[9] (1935-1936) **"General Theory of Employment, Interest and Money"** اور دیگر تصانیف میں پیش کیا۔ اس نظریے کا بنیادی مقصد حکومت کی ایسی پالیسیوں کے لیے نظریاتی بنیاد فراہم کرنا تھا جو مکمل روزگار (Full Employment) کو یقینی بنا سکیں۔ اس کتاب میں انہوں نے استدلال کیا کہ:

- اجرتوں میں کمی لازماً بے روزگاری کو ختم نہیں کرتی۔
- معاشی بحران کا بنیادی سبب مجموعی طلب (Aggregate Demand) کی کمی ہے۔
- حکومت کو سرکاری اخراجات بڑھانے چاہئیں۔
- ضرورت پڑنے پر بجٹ خسارہ (Budget Deficit) بھی قبول کیا جا سکتا ہے۔
- روزگار پیدا کرنے کے لیے حکومتی مداخلت ضروری ہے۔

یہ نظریات جلد ہی دنیا بھر کی حکومتوں اور ماہرین معاشیات میں مقبول ہو گئے اور کینزی معاشیات جدید میکرو اکنامکس کی بنیاد بن گئی۔

ورسائی معاہدہ اور عالمی شہرت

1919ء میں کینز برطانوی وزیر اعظم ڈیوڈ لائیڈ جارج کے معاشی مشیر کی حیثیت سے ورسائی امن کانفرنس میں شریک ہوئے۔ جرمنی پر عائد کی جانے والی سخت معاشی پابندیوں اور بھاری تاوان جنگ کو دیکھ کر وہ شدید پریشان ہوئے۔ انہوں نے احتجاجاً اپنا عہدہ چھوڑ دیا اور اسی سال اپنی مشہور کتاب **"The Economic Consequences of the Peace"** تصنیف کی۔ اس کتاب میں انہوں نے واضح کیا کہ جرمنی پر عائد کردہ بھاری مالی ذمہ داریاں نہ صرف غیر منصفانہ ہیں بلکہ یورپ کی معاشی تباہی کا سبب بھی بن سکتی ہیں۔[10] یہ کتاب غیر معمولی طور پر مقبول ہوئی اور کینز کو عالمی سطح پر شہرت حاصل ہوئی۔ ان کی معاشی بصیرت اور سیاسی تجزیے کو بڑے پیمانے پر سراہا گیا۔

1970ء کی دہائی تک کینزی معاشیات علم معاشیات میں سب سے زیادہ مؤثر مکتبۂ فکر رہی اور مغربی ممالک کی بیشتر حکومتوں کی معاشی پالیسیوں کی بنیاد بھی یہی نظریہ تھا۔

بعض ماہرین معاشیات کا خیال ہے کہ اگر اجرتوں (Wages) میں کمی آنے دی جائے تو مکمل روزگار دوبارہ حاصل کیا جا سکتا ہے، لیکن کینزی ماہرین اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ ان کے مطابق کاروباری ادارے ایسے مزدوروں کو ملازمت نہیں دیں گے جو ایسی اشیاء تیار کریں جنہیں مارکیٹ میں فروخت نہ کیا جا سکے۔ چونکہ کینزی نظریہ بے روزگاری کی بنیادی وجہ اشیاء اور خدمات کی ناکافی طلب (Insufficient Demand) کو قرار دیتا ہے، اس لیے اسے "طلب پر مبنی نظریہ" (Demand-Side Theory) کہا جاتا ہے۔ یہ نظریہ مختصر مدت کی معاشی اتار چڑھاؤ (Short-run Economic Fluctuations) پر توجہ دیتا ہے۔

کینز کے مطابق سرمایہ کاری (Investment) معاشی سرگرمیوں کا سب سے اہم اور متحرک عنصر ہے۔ سرمایہ کاری کی مقدار شرحِ سود (Interest Rate) اور مستقبل کے بارے میں سرمایہ کاروں کی توقعات سے متاثر ہوتی ہے۔[11] کینز کا یہ بھی مؤقف تھا کہ حکومت اپنی شعوری اور منصوبہ بند مداخلت کے ذریعے مکمل

---

8 شمس الحق افغانی، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ (کوہاٹ: ادارۃ البحوث والدعوۃ الاسلامیہ، 1993ء) 1/50

9 https://carleton.ca/keirarmstrong/learning-resources/selected-biographies/keynes-john-maynard-1883-1946/

10 https://www.richmondfed.org//media/richmondfedorg/publications/research/economic_quarterly/1997/spring/pdf/friedman.pdf

11 https://www.npr.org/sections/money/2010/01/podcast_john_maynard_keynes_ha.html

روزگار پیدا کر سکتی ہے۔کینزی ماہرین معاشیات کا کہنا ہے کہ حکومت ٹیکسوں کی شرح میں تبدیلی اور سرکاری اخراجات (Public Expenditure) میں اضافہ یا کمی کر کے اشیاء اور خدمات کی مجموعی طلب پر براہِ راست اثر انداز ہو سکتی ہے۔

کینزی معاشیات اور مانیٹری ازم(Monetarism)

1970ء کی دہائی کے بعد کینزی معاشیات کی مقبولیت میں کمی آئی اور اس کی جگہ "مانیٹری ازم (Monetarism) " نے لے لی۔ یہ ایک معاشی نظریہ تھا جو اس بات پر زور دیتا تھا کہ معیشت میں زر کی مقدار (Money Supply) کو منظم انداز میں بڑھا کر معاشی کساد بازاری (Recession) کو کم کیا جا سکتا ہے۔

تاہم 2007ء تا 2008ء کے عالمی مالیاتی بحران اور اس کے بعد آنے والی عظیم کساد بازاری (Great Recession) کے بعد کینزی معاشیات میں دوبارہ دلچسپی پیدا ہوئی۔ اس دور میں "نیو کینزی ازم (New Keynesianism) " کے نام سے کینزی نظریات کو مزید ترقی دی گئی کیونکہ جن ممالک نے بحران سے نمٹنے کے لیے کینزی پالیسیوں کو اپنایا وہاں نسبتاً بہتر نتائج حاصل ہوئے۔

طلب اور رسد(Supply and Demand)

معاشیات میں طلب اور رسد قیمتوں کے تعین کا بنیادی نظریہ ہے۔

طلب (Demand) سے مراد کسی شے کی وہ مقدار ہے جسے صارفین مختلف قیمتوں پر خریدنا چاہتے ہیں۔

رسد (Supply) سے مراد کسی شے کی وہ مقدار ہے جسے پیداکنندگان مختلف قیمتوں پر فروخت کرنا چاہتے ہیں۔

مارکیٹ میں قیمت کا تعین طلب اور رسد کے باہمی تعامل سے ہوتا ہے۔ جس مقام پر طلب اور رسد ایک دوسرے کے برابر ہو جائیں، اسے نقطۂ توازن (Equilibrium Point) کہا جاتا ہے اور اس قیمت کو قیمتِ توازن (Equilibrium Price) کہا جاتا ہے۔

منحنی طلب(Demand Curve)

منحنی طلب عام طور پر نیچے کی طرف ڈھلوان رکھتا ہے، کیونکہ جب قیمت کم ہوتی ہے تو صارفین زیادہ مقدار میں اشیاء خریدنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔

طلب پر اثر انداز ہونے والے عوامل میں شامل ہیں:

- اشیاء کی قیمت
- صارفین کی آمدنی
- صارفین کی پسند و ناپسند
- متبادل اشیاء کی قیمتیں
- موسمی اثرات

منحنی رسد(Supply Curve)

منحنی رسد عام طور پر اوپر کی طرف ڈھلوان رکھتا ہے، کیونکہ قیمت بڑھنے پر پیداکنندگان زیادہ مقدار میں اشیاء فروخت کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔

رسد پر اثر انداز ہونے والے عوامل میں شامل ہیں:

- پیداوار کی لاگت
- ٹیکنالوجی
- خام مال کی دستیابی
- مزدوری کے اخراجات
- متبادل مصنوعات کی قیمتیں

سپلائی سائیڈ معاشیات(Supply-Side Economics)

سپلائی سائیڈ معاشیات ایک ایسا نظریہ ہے جو پیداوار اور محنت کی فراہمی میں اضافے پر توجہ دیتا ہے۔ اس نظریے کے مطابق اگر ٹیکس کم کیے جائیں اور حکومتی مراعات میں کمی کی جائے تو افراد زیادہ محنت کریں گے، سرمایہ کاری بڑھے گی اور پیداوار میں اضافہ ہوگا۔[12]

اس نظریے کو امریکی ماہرِ معاشیات آرتھر لیفر (Arthur Laffer) نے پیش کیا تھا اور 1980ء کی دہائی میں امریکی صدر رونالڈ ریگن نے اسے عملی شکل دی۔ اس معاشی پروگرام کو "**ریگن اکنامکس (Reaganomics)**" کہا جاتا ہے۔

اس نظریے کے حامیوں کے مطابق 1980ء کی دہائی میں امریکہ کی معاشی ترقی اس کی کامیابی کا ثبوت تھی، جبکہ ناقدین کے مطابق اسی دور میں وفاقی خسارے (Federal Deficits) اور مالیاتی قیاس آرائیوں (Speculation) میں بھی نمایاں اضافہ ہوا۔

جدید معاشی ماڈل 4)

نیولبرل ازم (Neoliberalism)

نیولبرل ازم ایک معاشی اور سیاسی نظریہ اور پالیسی ماڈل ہے جو آزاد منڈی (Free Market) میں مسابقت کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ اگرچہ نیولبرل فکر اور اس کے عملی اطلاق کی بنیادی خصوصیات کے بارے میں ماہرین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، تاہم اسے عموماً "آزاد معیشت (Laissez-Faire Economics)" سے منسلک کیا جاتا ہے۔ نیولبرل ازم کی نمایاں خصوصیات میں یہ عقیدہ شامل ہے کہ مسلسل معاشی ترقی انسانی فلاح و ترقی کا بنیادی ذریعہ ہے، آزاد منڈی وسائل کی تقسیم کا سب سے مؤثر نظام ہے، معاشی اور سماجی معاملات میں ریاست کی مداخلت کم سے کم ہونی چاہیے، اور تجارت و سرمایہ کی آزادانہ نقل و حرکت کو یقینی بنایا جانا چاہیے۔

اگرچہ "نیولبرل ازم" اور "جدید لبرل ازم (Modern Liberalism)" کے نام ایک جیسے محسوس ہوتے ہیں، لیکن دونوں ایک دوسرے سے مختلف نظریات ہیں۔ دونوں کی فکری جڑیں انیسویں صدی کے کلاسیکی لبرل ازم (Classical Liberalism) میں پائی جاتی ہیں، جو معاشی آزادی اور حکومتی اختیارات کے مقابلے میں فرد کی آزادی کا حامی تھا۔

کلاسیکی لبرل ازم کو عموماً مشہور ماہر معاشیات آدم اسمتھ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنی معروف کتاب "**دولت اقوام (The Wealth of Nations)**" میں یہ نظریہ پیش کیا کہ منڈی ایک "غیر مرئی ہاتھ (Invisible Hand)" کے ذریعے چلتی ہے، لہٰذا حکومت کو اس میں کم سے کم مداخلت کرنی چاہیے۔

وقت گزرنے کے ساتھ لبرل ازم مختلف اور بعض اوقات متضاد فکری روایات میں تقسیم ہوگیا۔ جدید لبرل ازم سماجی لبرل روایت (Social Liberalism) سے وجود میں آیا، جس نے ان رکاوٹوں پر توجہ مرکوز کی جو فرد کی آزادی میں حائل ہوتی ہیں، جیسے غربت، عدم مساوات، بیماری، امتیازی سلوک اور جہالت۔ اس مکتبۂ فکر کے مطابق یہ مسائل بے لگام سرمایہ داری (Capitalism) کے نتیجے میں پیدا ہوئے یا مزید شدت اختیار کر گئے، اور ان کا حل صرف ریاستی مداخلت کے ذریعے ممکن تھا۔

اسی سوچ کے تحت انیسویں صدی کے آخر میں مزدوروں کے معاوضے کی اسکیمیں متعارف کرائی گئیں، سرکاری سطح پر اسکولوں اور اسپتالوں کے قیام کا آغاز ہوا اور اوقاتِ کار و مزدوروں کے حالات سے متعلق قوانین نافذ کیے گئے۔ بعد ازاں بیسویں صدی کے وسط تک یہ اقدامات ایک وسیع فلاحی ریاست (Welfare State) کی صورت اختیار کر گئے، جس میں مختلف سماجی خدمات اور عوامی مراعات شامل تھیں۔

تاہم 1970ء کی دہائی میں معاشی جمود (Economic Stagnation) اور بڑھتے ہوئے سرکاری قرضوں نے بعض ماہرین معاشیات کو کلاسیکی لبرل ازم کی طرف واپسی کی دعوت دینے پر آمادہ کیا۔ اس احیاء شدہ نظریے کو "نیولبرل ازم" کا نام دیا گیا۔ اس فکری احیاء کی بنیاد بنیادی طور پر آسٹریا میں پیدا ہونے والے برطانوی ماہر معاشیات فریڈرک وان ہائیک اور امریکی ماہر معاشیات ملٹن فریڈمین کے نظریات پر تھی۔ ہائیک کا مؤقف تھا کہ دولت کی از سرِ نو تقسیم کے لیے حکومتی مداخلت بالآخر آمریت (Totalitarianism) کی طرف لے جاتی ہے، جبکہ ملٹن فریڈمین نے معاشی اتار چڑھاؤ کو کنٹرول کرنے کے لیے حکومتی مالیاتی پالیسی (Fiscal Policy) کی افادیت کو مسترد کیا۔

ان نظریات کو برطانیہ اور امریکہ کی بڑی قدامت پسند سیاسی جماعتوں نے بھرپور انداز میں قبول کیا۔ برطانیہ میں مارگریٹ تھیچر (1979ء تا 1990ء) اور امریکہ میں رونالڈ ریگن (1981ء تا 1989ء) کے ادوارِ حکومت میں نیولبرل پالیسیوں کو عملی طور پر نافذ کیا گیا۔ وقت کے ساتھ نیولبرل نظریات اور پالیسیوں کا اثر و رسوخ بڑھتا

[12] https://www.vision.org/biography-john-maynard-keynes-capitalisms-savior-376

گیا۔ اس کی ایک مثال 1995ء میں برطانوی لیبر پارٹی کی جانب سے "ذرائع پیداوار کی اجتماعی ملکیت (Common Ownership of the Means of Production)" کے نظریے سے دستبرداری ہے۔ اسی طرح 1990ء کی دہائی سے لیبر پارٹی اور امریکی ڈیموکریٹک پارٹی نے بھی نسبتاً عملی اور اعتدال پسند معاشی پالیسیاں اختیار کیں۔

عالمی معیشتوں کے باہمی انحصار اور عالمگیریت (Globalization) کے فروغ کے ساتھ نیولبرل مفکرین نے آزاد تجارت (Free Trade) اور بین الاقوامی سرمایہ کی آزادانہ نقل و حرکت کی بھرپور حمایت کی۔ نیولبرل ازم کی بڑھتی ہوئی اہمیت کا ایک اور نمایاں مظہر "آزادی پسند (Libertarianism)" سیاسی تحریک کا ابھرنا تھا۔ اس کا ثبوت امریکہ میں لبرٹیرین پارٹی کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور مختلف ممالک میں ایسے تحقیقی اداروں (Think Tanks) کا قیام تھا جو آزاد منڈی اور محدود حکومت کے نظریے کو فروغ دینے کے لیے کام کرتے تھے۔

تاہم 2007ء میں شروع ہونے والے عالمی مالیاتی بحران اور اس کے بعد آنے والی عظیم کساد بازاری (Great Recession) نے نیولبرل نظریات پر شدید تنقید کو جنم دیا۔[13] امریکہ اور مغربی یورپ کے متعدد ماہرین معاشیات اور سیاسی رہنماؤں نے مکمل آزاد منڈی کے نظریے کو ناکافی قرار دیتے ہوئے مالیاتی اور بینکاری شعبوں پر زیادہ مؤثر حکومتی نگرانی اور ضابطہ بندی کا مطالبہ کیا۔

آزاد منڈی (Free Market)

آزاد منڈی ایک ایسا معاشی نظام ہے جس میں اشیاء اور خدمات کا تبادلہ حکومتی مداخلت کے بغیر یا بہت کم مداخلت کے ساتھ انجام پاتا ہے۔ اس نظام میں ٹیکس، معیار کے سرکاری ضوابط، درآمدی و برآمدی پابندیاں (Quotas)، محصولات (Tariffs) اور حکومت کی جانب سے دیگر مرکزی معاشی مداخلتیں یا تو موجود نہیں ہوتیں یا بہت محدود ہوتی ہیں۔

چونکہ مکمل آزاد منڈی کا تصور عملی طور پر کہیں بھی مکمل صورت میں موجود نہیں، اس لیے جدید معاشرے صرف اس مثالی نظام کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دنیا کی مختلف معیشتوں کو ایک ایسے تسلسل (Spectrum) پر رکھا جا سکتا ہے جہاں بعض ممالک میں حکومتی ضابطے کم اور بعض میں زیادہ ہوتے ہیں۔

آزاد منڈی اور وسائل کی تقسیم

بہت سے ماہرین معاشیات کے نزدیک آزاد منڈی میں وسائل کی تقسیم "پیریٹو مؤثریت (Pareto Efficiency)" کے اصول کے مطابق ہوتی ہے۔ اس اصول کے مطابق وسائل اس انداز سے تقسیم ہوتے ہیں کہ کسی ایک شخص کی حالت بہتر بنانے کے لیے کسی دوسرے شخص کی حالت کو خراب کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔[14]

یہ مؤثریت بعض شرائط کے ساتھ وابستہ ہے، مثلاً:

- بیرونی اثرات (Externalities) کا نہ ہونا۔
- معلومات کی عدم مساوات (Information Asymmetry) کا فقدان۔
- مارکیٹ میں تمام فریقوں کو یکساں معلومات کی دستیابی۔

اس نظریے کے مطابق منڈی ایک "غیر مرئی ہاتھ (Invisible Hand)" کے ذریعے خودکار انداز میں کام کرتی ہے۔ افراد اپنی ذاتی مفاد کے تحت معاشی فیصلے کرتے ہیں، لیکن انفرادی مفاد کے حصول کی یہ کوشش بالآخر پورے معاشرے کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔

بعض اخلاقی مفکرین کے مطابق آزاد منڈی کی کامیابی صرف معاشی عوامل پر منحصر نہیں بلکہ چند اخلاقی اقدار بھی ضروری ہیں، جن میں شامل ہیں:

- انصاف اور دیانت داری
- دور اندیشی
- خود ضبطی
- مساوی بنیادوں پر مقابلہ

[13] Manfred B. Steger and Ravi K. Roy, *Neoliberalism: A Very Short Introduction* (2010); David Harvey, *A Brief History of Neoliberalism* (2005, reprinted 2007)

[14] Milton Friedman, *Capitalism and Freedom* (1962); Tyler Cowen, *The Theory of Market Failure: A Critical Examination* (1988); Daniel F. Spulber, *Regulation and Markets* (1989); Cass R. Sunstein, *Free Markets and Social Justice* (1997); and John Tomasi, *Free Market Fairness* (2012).

- باہمی تعاون

آزاد منڈی پر تنقیدات

آزاد منڈی کے ناقدین کا مؤقف ہے کہ بعض حالات میں منڈی کی ناکامیاں (Market Failures) حکومت کی مداخلت کو ضروری بنا دیتی ہیں۔

ماحولیاتی اور سماجی اخراجات

بعض اوقات اشیاء اور خدمات کی قیمتیں ان کے حقیقی سماجی یا ماحولیاتی اخراجات کی مکمل عکاسی نہیں کرتیں۔ مثال کے طور پر کسی صنعت کی وجہ سے پیدا ہونے والی آلودگی کا خرچ اکثر مصنوعات کی قیمت میں شامل نہیں ہوتا، حالانکہ اس کا بوجھ پورا معاشرہ برداشت کرتا ہے۔

اسی طرح عوامی مفادات (Public Goods) جیسے پارکس، صاف ماحول یا قدرتی وسائل پر مناسب سرمایہ کاری نہیں ہوتی یا ان کا بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے، جس سے آئندہ نسلوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس صورت حال کو معاشیات میں "المیہ مشترکات (Tragedy of the Commons) "کہا جاتا ہے۔

اجارہ داری اور ملی بھگت

آزاد منڈی میں بعض اوقات کاروباری ادارے آپس میں ملی بھگت کر کے قیمتوں کو مصنوعی طور پر بڑھا سکتے ہیں یا مقابلے کو محدود کر سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے اجارہ داری کے خلاف قوانین (Antitrust Laws) ضروری سمجھے جاتے ہیں۔

یہ قوانین خصوصاً اس وقت اہم ہو جاتے ہیں جب چند بڑی کمپنیاں مارکیٹ پر غیر معمولی کنٹرول حاصل کر لیں اور صارفین کے لیے حقیقی مقابلے کے مواقع ختم ہو جائیں۔

لین دین کے اخراجات

بعض صورتوں میں لین دین (Transaction) کے اخراجات اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ آزاد منڈی کے بجائے منظم ادارے یا تنظیمیں زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہیں۔ اس لیے ہر معاشی سرگرمی کو مکمل طور پر منڈی کے سپرد کرنا ہمیشہ مفید نہیں ہوتا۔

انصاف اور مساوات کا مسئلہ

اگرچہ آزاد منڈی وسائل کو مؤثر انداز میں تقسیم کر سکتی ہے، لیکن ضروری نہیں کہ یہ تقسیم انصاف اور مساوات کے اصولوں کے مطابق بھی ہو۔ ممکن ہے کہ دولت اور وسائل چند افراد یا طبقات کے پاس جمع ہو جائیں جبکہ معاشرے کا ایک بڑا حصہ بنیادی ضروریات سے محروم رہے۔

اسی لیے بعض ماہرین معاشیات کے نزدیک معاشرتی انصاف اور منصفانہ تقسیم دولت کو یقینی بنانے کے لیے حکومتی مداخلت ضروری ہوتی ہے۔

آزاد منڈی کے حامیوں کا مؤقف

آزاد منڈی کے حامی ماہرینِ معاشیات، جن میں رونالڈ کوز، ملٹن فریڈمین، لڈوِگ وان میسز اور فریڈرک ہائیک شامل ہیں، ان تنقیدات سے اتفاق نہیں کرتے۔

ان کے مطابق:

- منڈیاں خود کو درست کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔
- بہت سی مارکیٹ ناکامیاں وقت کے ساتھ خود بخود حل ہو جاتی ہیں۔
- حکومتی مداخلت اکثر نئے مسائل پیدا کرتی ہے۔
- جن خدمات کو پہلے صرف حکومت کی ذمہ داری سمجھا جاتا تھا، ان میں سے بہت سی خدمات نجی شعبہ بھی کامیابی سے فراہم کر سکتا ہے۔

ان مفکرین کے نزدیک آزاد منڈی نہ صرف معاشی ترقی کو فروغ دیتی ہے بلکہ افراد کی معاشی آزادی کو بھی یقینی بناتی ہے۔

دو مختلف معاشی نظاموں کی کہانی

تصور کیجیے کہ ایک ہی ملک میں دو الگ الگ معاشی تصویریں موجود ہیں۔ پہلی تصویر میں عام صارفین کی معاشی حالت مسلسل خراب ہو رہی ہے۔ روزمرہ استعمال کی بنیادی اشیاء کی قیمتیں اتنی بڑھ جاتی ہیں کہ ان کی خریداری مشکل ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ فاسٹ فوڈ جیسی نسبتاً سستی چیزیں بھی بہت سے خاندانوں کے لیے ایک عیش و آرام کی شے محسوس ہونے لگتی ہیں۔ عوام کی قوت خرید کم ہو جاتی ہے اور معاشی حالات کے بارے میں ان کا اعتماد تاریخی حد تک گر جاتا ہے۔

دوسری تصویر میں صورت حال بالکل مختلف ہے۔ مہنگی اور غیر ضروری (Luxury) اشیاء کی فروخت تیزی سے بڑھ رہی ہوتی ہے۔ اسٹاک مارکیٹ، جائیدادوں، فن پاروں اور قیمتی نوادرات کی قیمتیں ریکارڈ سطح تک پہنچ جاتی ہیں۔ ان اثاثوں کے مالکان کی دولت میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے اور وہ پہلے سے زیادہ خوشحال ہوتے جاتے ہیں۔

یہ دونوں معاشی تصویریں ایک دوسرے سے بالکل مختلف معلوم ہوتی ہیں، گویا دن اور رات کا فرق ہو۔ لیکن بعض اوقات یہ دونوں صورتیں ایک ہی وقت میں اور ایک ہی ملک کے اندر موجود ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں معاشی ترقی کے فوائد صرف ایک محدود طبقے کو حاصل ہوتے ہیں جبکہ اکثریت معاشی مشکلات، مہنگائی اور کم ہوتی ہوئی قوت خرید کا سامنا کرتی ہے۔

ماہرین معاشیات اس صورت حال کو "K-شکل معیشت **(K-Shaped Economy)**" کہتے ہیں۔ اس اصطلاح میں حرف Kاس بات کی نمائندگی کرتا ہے کہ معاشی بحالی یا ترقی ایک ہی سمت میں آگے بڑھنے کے بجائے دو مختلف سمتوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک طرف معاشرے کا خوشحال طبقہ مزید ترقی اور دولت حاصل کرتا ہے، جبکہ دوسری طرف کم آمدنی والے اور متوسط طبقے کے افراد معاشی دباؤ، بے روزگاری اور مالی مشکلات کا شکار ہوتے جاتے ہیں۔ اس طرح K-شکل معیشت دراصل معاشی عدم مساوات (Economic Inequality) کی ایک نمایاں مثال ہے، جہاں ترقی کے ثمرات سب کو یکساں طور پر نہیں ملتے بلکہ مختلف طبقوں کے درمیان معاشی فرق مزید بڑھ جاتا ہے

Kشکل معیشت (K-Shaped Economy) کا حقیقی مطلب

Kشکل بحالی (K-shaped recovery) میں کسی معاشی کساد بازاری یا مندی کے بعد معیشت کے مختلف حصے ایک ہی وقت میں، لیکن مخالف سمتوں میں حرکت کرتے ہیں۔ یعنی ایک ہی معاشی نظام میں کچھ طبقات ترقی کرتے ہیں جبکہ کچھ زوال کا شکار رہتے ہیں۔ ایک حصہ جسے K کی اوپری شاخ کہا جاتا ہے اثاثوں (Assets) کی قیمتوں میں اضافے یا آمدنی میں بہتری کے باعث دولت میں اضافہ حاصل کرتا ہے۔ جبکہ دوسرا حصہ یعنی K کی نچلی شاخ خریداری کی قوت میں کمی اور اجرتوں کے جمود یا کمی کے باعث شدید مالی دباؤ کا سامنا کرتا ہے۔ یہ دونوں مختلف راستے مل کر معاشی گراف میں حرف K کی شکل بناتے ہیں، جس کی ایک لکیر اوپر کی طرف اور دوسری نیچے کی طرف جاتی ہے۔ Kشکل معیشت کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایک ہی وقت میں ترقی اور زوال دونوں موجود ہوتے ہیں، لیکن یہ معاشرے کے مختلف طبقات میں تقسیم ہوتے ہیں۔ یہ تصور V- شکل بحالی (V-shaped recovery) سے مختلف ہے، جس میں تیزی سے اور وسیع پیمانے پر معاشی بہتری آتی ہے اور U- شکل بحالی (U-shaped recovery) سے بھی مختلف ہے، جس میں سست روی کے بعد مجموعی طور پر بحالی آتی ہے۔ مختصراً K-شکل معیشت اس مشہور جملے کی عکاسی کرتی ہے: **امیر مزید امیر ہو جاتے ہیں اور غریب مزید غریب ہو جاتے ہیں۔ ایک معیشت دو حصوں میں کیسے تقسیم ہوتی ہے؟** 2024ء کے ایک وسیع پیمانے پر کیے گئے LendingTree سروے کے مطابق 80 فیصد امریکیوں نے بڑھتی ہوئی مہنگائی کی وجہ سے فاسٹ فوڈ کو بھی ایک مہنگی یا لگژری چیز سمجھنا شروع کر دیا۔ صارفین کا اعتماد، جو لوگوں کی مالی صورتحال کے بارے میں مجموعی رائے کو ظاہر کرتا ہے، اگلے سال تک مسلسل کم ہوتا رہا اور یہ سطح COVID-19 وبا کے بعد کی کم ترین سطح کے قریب پہنچ گئی۔

دوسری طرف، 2025ء میں مہنگی اور غیر ضروری اشیاء کی فروخت میں اضافہ ہوا اور کئی مصنوعات چند گھنٹوں میں ہی فروخت ہو گئیں۔ مثال کے طور پر ایپل کا230 ڈالر کا "iPhone Pocket"، بالینسیاگا کا950 ڈالر کا "destroyed hoodie" اور American Girl کے محدود ایڈیشن "Wicked" ڈولز جو 250 سے 2000 ڈالر تک کی قیمت میں فروخت ہوئیں۔ اسی دوران اسٹاک مارکیٹ بھی مسلسل نئی بلند ترین سطحیں حاصل کرتی رہی۔ یہ صورتحال بظاہر مضبوط معاشی ترقی کی نشاندہی کرتی ہے، جو 2024ء کے سروے میں ظاہر ہونے والی کمزور صارفین کی صورتحال سے مختلف دکھائی دیتی ہے۔[15] K کے شکل معاشی بحالی کوئی نئی بات نہیں، لیکن COVID-19 کے بعد جو تقسیم سامنے آئی وہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ واضح اور شدید تھی۔ اس کی اہم وجوہات درج ذیل ہیں:

کام کی نوعیت (Nature of Work)

علمی و پیشہ ورانہ کارکن (Knowledge Workers) جیسے سافٹ ویئر انجینئرز، مالیاتی تجزیہ کار، ڈیزائنرز، اساتذہ اور دیگر ماہر پیشے رکھنے والے افراد اپنی خصوصی مہارت کی وجہ سے اپنی آمدنی کو نسبتاً محفوظ رکھ سکے۔ اس کے برعکس سروس سیکٹر اور جسمانی محنت پر مبنی ملازمتوں والے افراد کو کام کے اوقات میں کمی، عارضی چھانٹی یا مستقل ملازمت کے نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔

---

[15] Nearly 80% of Americans Say Fast Food Is Now a Luxury Because It's Become So Expensive | lendingtree.com

سرمایہ تک رسائی(Access to Capital)

مالیاتی منڈیاں، جائیدادیں اور وہ کاروبار جو لاک ڈاؤن کے باوجود قائم رہ سکے، تیزی سے بحال ہو گئے۔ جن گھرانوں کو ان اثاثوں تک رسائی حاصل تھی یا جو سرمایہ کاری کر سکتے تھے، وہ جلد بہتر ہو گئے یا مزید دولت جمع کرنے میں کامیاب رہے۔ جبکہ جن کے پاس یہ سہولت نہیں تھی وہ اس بحالی سے زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکے۔

مضبوط مالی وسائل رکھنے والے کاروبار(Well-capitalized Businesses)

لاک ڈاؤن اور اس کے بعد آنے والی مہنگائی کے دور میں وہ کاروبار بہتر کارکردگی دکھا سکے جن کے پاس زیادہ سرمایہ، قیمتیں طے کرنے کی طاقت (Pricing Power)، مارکیٹ میں مضبوط حصہ اور بہتر منافع کے مارجن موجود تھے۔ ان تمام عوامل کے نتیجے میں فائدے ایک محدود طبقے میں مرکوز ہو گئے، جو K- شکل بحالی کی اوپری شاخ بناتے ہیں، جبکہ آبادی کا بڑا حصہ اپنی سابقہ معاشی حالت بحال کرنے کے لیے جدوجہد کرتا رہا۔

شکل 1:

2020ء کی دہائی کے وسط میں جہاں S&P 500 انڈیکس نئی بلند ترین سطحوں تک پہنچتا رہا، وہیں یونیورسٹی آف مشیگن کا کنزیومر سینٹیمنٹ انڈیکس (صارفین کے اعتماد کا اشاریہ) مسلسل کم ہوتا گیا۔ ان دونوں ٹائم سیریز (وقت کے ساتھ بدلنے والے اعداد و شمار) کا مجموعی رجحان ایک ایسی شکل اختیار کرتا ہے جو حرف K سے مشابہ ہے۔[16]

K شکل معیشت کے اوپری اور نچلے حصے

k شکل معیشت میں K کا اوپری حصہ ان معاشی طبقات اور گروہوں پر مشتمل ہوتا ہے جنہوں نے وبا (COVID-19) کے دوران نسبتاً بہتر کارکردگی دکھائی اور بعد از وبا معیشت میں بھی ان کی مالی حالت بہتر ہوتی گئی۔

ان میں شامل ہیں:

- علمی و پیشہ ورانہ کارکن(Knowledge Workers)، جیسے سافٹ ویئر انجینئرز، مالیاتی ماہرین اور وہ افراد جو دور سے کام (Remote Work) کر سکتے ہیں
- زیادہ آمدنی والے افراد اور وہ گھرانے جن کے پاس مالی ذخائر اور سرمایہ کاری موجود ہو، جیسے اسٹاک، پنشن فنڈز اور جائیداد
- ایسے کاروبار جن کے پاس قیمتیں طے کرنے کی طاقت(Pricing Power)، مضبوط منافع (Margins) یا بڑی مارکیٹ شیئر موجود ہو

[16] University of Michigan, Consumer Sentiment [UMCSENT]; S&P Dow Jones Indices LLC, S&P 500 [SP500], FRED (Federal Reserve Bank of St. Louis) سے حاصل کردہ ڈیٹا، 12 دسمبر 2025۔

یہ تمام گروہ K کے اوپری حصے میں شامل ہو کر مسلسل ترقی اور دولت میں اضافہ حاصل کرتے رہے۔

کون سے طبقات زوال کا شکار ہوئے؟

اس کے برعکس معیشت کا نچلا حصہ ان طبقات پر مشتمل ہوتا ہے جو نسبتاً کمزور معاشی حالات کا سامنا کرتے ہیں اور جن کی آمدنی یا معیارِ زندگی میں خاطر خواہ بہتری نہیں آتی۔

محدود سرمایہ رکھنے والے گھرانے

ایسے گھرانے جن کی اسٹاک مارکیٹ، جائیداد یا کاروباری ملکیت میں کوئی یا بہت کم سرمایہ کاری ہوتی ہے، وہ اس معاشی بحالی کے فائدے سے محروم رہتے ہیں۔ چونکہ اثاثوں کی قیمتیں بڑھتی ہیں، لیکن ان کے پاس ایسے اثاثے موجود نہیں ہوتے، اس لیے دولت جمع کرنے کی صلاحیت محدود رہتی ہے۔

کم اجرت والے سروس ورکرز

ریٹیل، فوڈ سروس، ہوٹلنگ اور کم تنخواہ والے نگہداشت (Care) کے شعبوں سے وابستہ کارکن اکثر کم اجرت میں اضافے کا سامنا کرتے ہیں۔ مہنگائی کے دباؤ کے باعث ان کی معاشی حالت مزید کمزور ہو جاتی ہے۔

غیر مستحکم اوقاتِ کار یا گیگ ورک کرنے والے افراد

وہ افراد جو عارضی یا غیر مستقل ملازمتوں (Gig Economy) میں کام کرتے ہیں، یا جن کے کام کے اوقات غیر یقینی ہوتے ہیں، وہ آمدنی کے عدم استحکام کا زیادہ شکار ہوتے ہیں۔ مہنگائی کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے ساتھ ان کے اخراجات بھی مشکل بن جاتے ہیں۔

سیاحت یا صنعت پر انحصار کرنے والے علاقے

وہ علاقے جو سیاحت یا مخصوص صنعتی پیداوار پر انحصار کرتے ہیں، معاشی مندی کے دوران زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ جب طلب کمزور رہتی ہے تو ان علاقوں میں بحالی سست ہو جاتی ہے، جس سے روزگار اور آمدنی کی عدم استحکام مزید بڑھ جاتا ہے۔

K شکل معیشت کا حقیقی اثر

نظریاتی بحث سے آگے بڑھ کر، K-شکل معیشت کے حقیقی اثرات افراد کی زندگی، روزگار، مالی استحکام اور مواقع پر واضح طور پر نظر آتے ہیں۔

کارکنوں پر اثرات

یہ تقسیم اکثر ملازمت کے استحکام اور غیر یقینی صورتحال کے فرق کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ مختلف قسم کے کارکن مثلاً علمی و پیشہ ور افراد اور سروس یا جسمانی محنت کرنے والے افراد مختلف سطح کی معاشی طاقت اور سودے بازی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

وقت کے ساتھ یہ فرق سماجی نقل و حرکت (Social Mobility) پر اثر انداز ہوتا ہے، یعنی یہ طے کرتا ہے کہ ایک فرد کتنی آسانی سے بہتر آمدنی والے طبقے میں جا سکتا ہے یا نہیں۔

2)۔۔۔اقتصادی انصاف کے اسلامی اصول:

اسلام اقتصادی انصاف کے لیے چند بنیادی اصول معاشرے کو فراہم کرتا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر ہر زمانے میں ایک مستحکم متوازن اور منصفانہ معاشی نظام کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔

(الف) حرام آمدنی کی ممانعت:

اسلامی اقتصادیات ایک ایسا جامع نظام فکر پیش کرتی ہے جو دولت کے حصول اس کے استعمال اور اس کی تقسیم کے تمام مراحل کو اخلاقی و شرعی اصولوں کے تابع قرار دیتا ہے۔ اس نظام میں حرام آمدنی کی ممانعت ایک نہایت اہم وصول ہے جس کا مقصد معاشی تعلقات کو عدل، شفافیت، اور دیانت کی بنیاد پر استوار کرنا ہے۔

قانون اسلامی کے مطابق مال صرف اسی وقت مشروع قرار پاتا ہے، جب وہ جائز طریقے سے حاصل کیا گیا ہو۔ فرمان حق تعالیٰ ہے:

"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[17]

اے ایمان والو! باطل طریقے سے آپس میں ایک دوسرے کے مال نہ کھاؤ البتہ یہ کہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو"

[17] القرآن 4/29۔

یہ آیت مبارکہ اسلامی اقتصادیات کے لیے منصفانہ بنیادی اصول فراہم کرتی ہے جہاں "باطل" کی اصطلاح تمام غیر مشروع ذرائع سود، رشوت، جوا، خیانت، چوری، اور دھوکہ دہی کو شامل ہے، چنانچہ حصول دولت اور تقسیم دولت میں انسان اپنے آپ کو اس حد تک آزاد نہ سمجھے کہ جو اور جہاں سے مرضی کمائے اور استعمال میں لائے بلکہ اس معاملے میں اس حد تک احتیاط کرے کہ کسی دوسرے کا کوئی ذرہ برابر حق بھی اس کے حق میں خلط ملط نہ ہو جائے۔

(ب) گردش دولت کا اسلامی تصور:

یہ اسلامی معیشت کا بنیادی اور نہایت اہم موصول ہے۔ اسی اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے اسلام ہر وہ دروازہ جو چند ہی ہاتھوں میں ارتکاز دولت کا سبب بنتا ہے اسے بند کر دینے کا حکم دیتا ہے اور حوصلہ افزائی کرتا ہے ہر اس راستے کے کھولنے کی جو دولت کی گردش کا رخ اس اہل ثروت سے محروم المعیشت افراد کی طرف سے پھر نے میں معاون ثابت ہو اور محرومی معاش کے تدارک کا امکان ہو۔ تاکہ اقتصادی انصاف برقرار رہ سکے اور معاشرے کا ہر فرد اس سے مستفید ہو سکے۔ قرآن مجید میں رب کائنات نے دولت کو امانت اور انسان کو خلیفہ قرار دے کر اس کی تقسیم کی ذمہ داری انسانوں پر ڈال دی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ[18]"

اور اس کی راہ میں کچھ خرچ کرو جس میں تمہیں اَوروں کا جانشین کیا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ دولت صرف چند ہی ہاتھوں میں مرتکز نہیں ہونی چاہیے بلکہ اسے سماج کے محروم المعیشت افراد تک پہنچانا لازمی امر قرار دیا گیا ہے۔

احتکار:

جب کوئی فرد یا ادارہ ضروری چیزیں جیسے خوراک، یا دوا مارکیٹ سے خرید کر اس نیت سے روک لیتا ہے، کہ جب ان کی قلت ہو تو مہنگے داموں بیچے "احتکار" کہلاتا ہے۔ اسے نہ صرف اخلاقی طور پر قابل مذمت سمجھا جاتا ہے بلکہ شریعت اسلامیہ بھی گناہ شمار کرتی ہے۔ حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں:

"لا يحتكر الا خاطى[19]"

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اجناس یا دولت جو لوگوں کی ضروریات سے وابستہ ہو اسے اس نیت سے روک لینا، کہ احتیاج غلہ کے وقت مہنگے داموں فروخت کیا جائے تو اس عمل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

اکتناز:

ایسا طرز عمل جس میں کوئی شخص اپنی مالی حیثیت کے مطابق زکوۃ ادا کیے بغیر دولت جمع کرتا ہے، اور اسے خرچ میں نہیں لاتا، ایک تناز کہلاتا ہے۔ اس سے دولت کا بہاؤ رکتا ہے اور سماج میں معاشی نہ انصافی اور عدم توازن بڑھ جاتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ[20]"

اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سناؤ۔

چنانچہ احتکار و اکتناز دونوں ایسے اعمال ہیں، جو اسلامی معیشت کے اس بنیادی مقصد کی خلاف ہیں جو دولت کی منصفانہ تقسیم اور معاشی توازن کا قیام ہے۔ ایک اسلامی ریاست اور معیشت کے لیے ضروری ہے کہ ان دونوں رویوں کا سدباب کیا جائے تاکہ "اقتصادی انصاف" محض نظریہ نہ رہے بلکہ ایک عملی حقیقت بن جائے۔

(ج) معاشی حقوق کا تحفظ:

اسلامی اقتصادی نظام میں معاشی حقوق کا تصور ایک عملی، قانونی، اور دینی ذمہ داری کی حیثیت رکھتا ہے یہ صرف اخلاقی ترغیب میں پر مبنی نہیں بلکہ اجتماعی دینی فریضے کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ جو اقتصادی انصاف اور دولت کی منصفانت تقسیم کا بنیادی ستون ہے۔ ان حقوق کی اساس قرآن وحدیث میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے، جو فرد اور معاشرے کے درمیان دولت کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ معاشی طور پر فرض کیے گئے چند حقوق درج ذیل ہیں:

---

[18] القرآن 57/7۔

[19] ابو عبداللہ ابن ماجہ، السنن، کتاب التجارت، باب الحکرۃ والجلب (بیروت: دار الجیل، 1998) 519/3۔

[20] القرآن 9/34۔

(د)روزگار کا حق:

اسلامی تعلیمات میں محنت کو نہایت بلند مقام حاصل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عَنْ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِی كَرِبَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَاكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ[21]"

مقدام بن معدی کربؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

کسی آدمی نے کبھی ایسا کھانا نہیں کھایا جو اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر ہو، اور بے شک اللہ کے نبی داوٗد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔ یہ حدیث اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ معاشرے میں ہر فرد کو روزگار کے مواقع میسر آنے چاہییں، تاکہ وہ باعزت طریقے سے اپنی معاشی ضروریات پوری کر سکیں۔

(س)اجرت کا حق:

اسلام میں مزدور کی اجرت کے حوالے سے واضح اصول موجود ہیں۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ[22]"

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔

یہ ارشاد مزدور کے مالی تحفظ اجرت کی بروقت ادائیگی اور اس کی محنت کا احترام اجاگر کرتا ہے۔ اسلامی معیشت کے اصولوں کے مطابق اجرت کا تعین اس انداز میں ہونا چاہیے کہ مزدور کی بنیادی ضروریات کی تکمیل ہو سکے، وہ عزت اور وقار کے ساتھ زندگی گزار سکے۔ صرف بقائے حیات کافی نہیں بلکہ ایسی اجرت ضروری ہے جو فلاحی معیار زندگی فراہم کرے۔

(ص)حق کفالت عامہ:

یہ معاشی انصاف کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے جو معاشرتی ذمہ داریوں اور انسانی ہمدردی کو اہمیت دیتا ہے۔ یہ تصور عمومی طور پر اس حق کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کے تحت ریاست یا معاشرہ اپنے کمزور طبقات کو امداد فراہم کرتا ہے، تاکہ وہ زندگی کی بنیادی ضروریات کو پورا کر سکیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ[23]"

اور ان کے اموال میں حق ہے سوالی کا اور محروم کا

معلوم ہوا کہ یہ تصور صرف خیرات یا اخلاقی احسان تک محدود نہیں بلکہ ایک منظم اور شرعی فریضہ ہے جو کہ باہمی امداد کے اصولوں پر قائم ہے۔

(ط)نظام زکوۃ:

انہیں کفالت عامہ اور امداد باہمی کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اسلام نے زکوۃ کا نظام متعارف کروایا ہے، جو کہ نہ صرف انفرادی عبادت بلکہ یہ ایک سماجی معاشی نظام کا جزو اعظم ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

"خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا[24]"

ان کے مالوں سے صدقہ لو تاکہ تم ان کو پاک اور صاف کرو۔

اسلامی اقتصادی انصاف کا تصور محض مالی ادائیگیوں کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ جہت تصور اور فکر کا نام ہے جس میں فلاح عامہ، باہمی امداد، اور ریاستی ذمہ داری سب شامل ہیں۔ حق کفالت عامہ ایک ایسا اصول ہے، جو نہ صرف اسلامی نظام معیشت کو انفرادیت عطا کرتا ہے بلکہ اسے عصری نظام سے ممتاز بھی کرتا ہے۔

3)۔۔۔ تقسیم دولت اور نظام ہائے معیشت:

---

[21] محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ (بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422) 3/57۔

[22] ابن ماجہ، السنن، کتاب الاحکام، باب اکرام الاجیر واعطائہ حقہ، 4/93۔

[23] القرآن 51/19۔

[24] القرآن 9/103۔

یہ اقتصادی نظام کا وہ اصول ہے جو انگلش میں "Distribution of Wealth" کی اصطلاح سے متعارف ہے۔ اسی اصول کے ذریعے کسی بھی ملک کی مجموعی دولت اور آمدنی کو اس کے شہریوں کے درمیان بانٹا جاتا ہے یا عالمی سطح پر مختلف ممالک کے درمیان دولت اور آمدنی کی تقسیم کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا میں ہے:

"distribution of wealth and income the way in which the wealth and income of a nation are divided among its population, or the way in which the wealth and income of the world are divided among Nation"[25]

دولت اور آمدنی کی تقسیم: وہ طریقہ جس کے تحت کسی قوم کی دولت اور آمدنی کو اس کی آبادی میں تقسیم کیا جاتا ہے یا وہ طریقہ جس کے تحت دنیا کی دولت اور آمدنی کو اقوام کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے۔

تقسیم دولت کے مسئلہ میں دنیامیں رائج اقتصادی نظاموں نے مختلف نظریات پیش کیے ہیں، جن کی ذیل میں وضاحت کی جاتی ہے۔

1)۔ سرمایہ دارانہ نظام اور تقسیم دولت{Capitalism and distribution wealth }

سرمایہ دارانہ نظام کے تحت آمدنی یا دولت کو عوامل پیدائش یعنی زمین، محنت، سرمایہ، اور آجر یا تنظیم کے درمیان کچھ اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ مالک زمین کو کرایہ محنت کرنے والے کو اجرت سرمایہ فراہم کرنے والے کو سود اور اجر یا تنظیم (جو کہ پیداواری عمل کا اصل محرک ہے) کو منافع دیا جائے گا۔ عوامل پیدائش کے اوپر ذکر کیے گئے معاوضے کا تعین قانون طلب ورسد کی بنیاد پر ہوگا یعنی جس طرح جس چیز کی طلب زیادہ ہوگی، اس کا معاوضہ بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ اور جس کی طلب کم ہوگی اس کا معاوضہ بھی اتنا ہی کم ہوگا۔[26]

(الف) آجر اور اجیر کے درمیان معاملہ:

سرمایہ دارانہ نظام میں کاروباری اداروں میں بنیادی طور پر دو اہم فریق ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو کاروبار کا مالی بوجھ اٹھاتے ہیں اور نفع و نقصان کے خطرے کے ساتھ اسے چلاتے ہیں جسے آجر کہا جاتا ہے جبکہ دوسرا گروہ وہ ملازمین ہیں جو اپنی محنت اور مہارت کے بدلے ایک مقررہ اجرت وصول کرتے ہیں، مگر کاروبار کے مجموعی فائدے یا نقصان سے براہ راست متاثر نہیں ہوتے جنہیں اجیر کہا جاتا ہے۔ اس نظام کے حامیوں کا موقف ہے کہ چونکہ کاروبار کا نقصان صرف سرمایہ فراہم کرنے والے کو برداشت کرنا پڑتا ہے، اس لیے منافع بھی اسی ہی کا حق ہونا چاہیے جبکہ اجیر کو محض طے شدہ اجرت پر اکتفا کرنا چاہیے جو مارکیٹ کی اصولوں یعنی قانون رسد طلب کے مطابق متعین ہوتی ہے۔ نفع میں اضافے یا نقصان کی صورت میں اجرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہونی چاہیے، بلکہ یہ مذکورہ بالا مارکیٹ کے اصولوں کے تحت خود ہی بڑھتی اور کم ہوتی رہے گی۔ اس صورتحال میں آجر اپنی لاگت کم سے کم رکھنے کی کوشش کرے گا جبکہ اجیر زیادہ اجرت کے لیے کوشاں رہے گا، جس کے نتیجے میں ایک مسلسل کشمکش جنم لے گی۔ چنانچہ سرمایہ دارانہ نظام نے آمدنی کی تقسیم قانون رسد وطلب کے سپرد کر دی ہے مفتی تقی عثمانی صاحب لکھا ہے:

"آمدنی کی تقسیم کا بنیادی مسئلہ بھی سرمایہ دارانہ نظام میں رسد وطلب کے قوانین کے تحت انجام پاتا ہے"[27]

(ب) نجی ملکیت:

سرمایہ دارانہ نظام اقتصاد کا اصول ہے کہ انسان قانوناً مالک ہے ہر اس چیز کا جو اس نے کمائی اور جس کے ذریعے کمائی۔ اگر دکان انسان کا ذریعہ معاش ہے تو انسان اس دکان سے حاصل ہونے والے ہر منافع اور دکان دونوں کا مالک ہے اسی طرح اگر زمین ذریعہ معاش ہے تو انسان زمین اور اس سے جو نفع حاصل ہوتا ہے ان دونوں کا مالک ہے کل ہے۔ جسے وہ اپنی مرضی کے مطابق جیسے چاہے رک کر رکھے ہیں یا استعمال میں لائے۔ جس میں کسی دوسرے کا حق شامل نہیں ہے۔

John Locke نے نجی ملکیت کو اس طرح بیان کیا ہے:

"Property is a person's life and liberaty as well as his physical possessions"[28]

جائیداد ایک شخص کی زندگی اور آزادی کے ساتھ ساتھ اس کا ذاتی مال بھی ہے۔

---

[25] Encyclopaedia Britannica, last modified January2025, Accessed January23,2025.http://www.britannica.com.

[26] محمد تقی عثمانی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، 2012) 1/27۔

[27] ایضاً 1/29۔

[28] John Locke Two Treatises of government (USA, :publisher, New York, New American Library,

مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

" سرمایہ دارانہ نظام میں ہر انسان کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ذاتی ملکیت میں اشیاء بھی رکھ سکتا ہے اور وسائل پیداوار بھی رکھ سکتا ہے[29]"

چنانچہ سرمایہ صاحب ثروت لوگوں کے ہاتھوں میں ہونے کی وجہ سے جو اسے اپنے لیے مزید بڑھانے کے دوڑ میں قومی وسائل کا ایک بڑا حصہ اپنے ہاتھوں میں مرتکز کر لیتے ہیں۔ نجی ملکیت، ناجائز منافع خوری، سود اور بے لگام اقتصادی آزادی جیسے عوامل اس نظام کے ہاتھ میں توازن اور غیر منصفانہ تقسیم کو مزید گہرا کر کے مزدور کمزور اور نادار طبقے کو مالی معاونت کرنے کی بجائے شدید مالی مشکلات کی طرف دھکیل دیتے ہیں جو کہ بعض اوقات بنیادی ضروریات سے بھی محروم رہ جاتے ہیں۔

(ج)معاشی آزادی:

سرمایہ دارانہ نظام میں دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کی دوسری وجہ اس نظام کی بنیادی اساس "بے قید آزادی "کا نظریہ بھی ہے یہ وہی " آزادی " ہے جو مغربی فلسفے کی قدر مطلق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ انسان مطلق العنان ہے جو الہامی ضوابط اور اصولوں سے ماوراء ہے اور کسی ضابطے یا کسی اصول کا پابند نہیں ہے۔ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری " آزادی "کا معنی لکھتے ہیں:

" آزادی کا مطلب یہ کہ انسان جو چاہے خواہش کر سکتا ہے وہ کسی کا پابند نہیں ہے وہ آزاد پیدا ہوا ہے لہٰذا اسے کسی الہامی ضابطے کا پابند نہیں کیا جا سکتا[30]"

اسی نظریہ کے تحت یہ نظام اس بات کی مکمل آزادی فراہم کرتا ہے، کہ فرد جتنا چاہے جو چاہے اور جیسے چاہے سرمایہ اکٹھا کرنے میں آزاد ہے۔ اسی طرح اس سے حاصل کیے گئے سرمائے کو اس کی چاہت کے مطابق تقسیم کرنے یا نہ کرنے کا مکمل طور پر آزادانہ اختیار بھی رکھتا ہے۔ زاہد صدیق مغل لکھتے ہیں:

" آزادی یہ ہے کہ ارادہ انسانی کے اظہار کے حق کو "خیر " پر فوقیت دینا یعنی "خیر اور شر "کا تعین کرنے کا مساوی حق ہر انسان کو ہونا چاہیے ،ماورائے اس سے کہ انسان اس حق کو استعمال کر کے اپنے لیے خیر اور شر کا کون سا پیمانہ طے کرتا ہے[31]"

لہٰذا سرمایہ دارانہ نظام ایک سرمایہ دار کو اس بات کی کبھی اجازت نہیں دے گا کہ وہ سرمائے کو مادی مفاد کے علاوہ کسی محروم المعیشت افراد کی مالی معاونت میں بھی خرچ کر دے۔ البتہ وہ اسے یہ ضرور لالچ دیتا ہے کہ مزید سرمایہ اکٹھا کرنے کے لیے اس کے عوض باری بھر کم سود بھی وصول کرنا پڑے تو اس سے بھی وہ گریز نہ کرے۔ جس سے تقسیم دولت کے اعتبار سے ایک غیر منصفانہ نظام تشکیل پائے گا۔

2)۔اشتراکیت اور تقسیم دولت {Communism and distribution wealth}

" اشتراکیت "اشتراک سے ماخوذ ہے جس کے معنی مشترک شراکت یا ساجھا کے ہیں، یہاں پر اشتراکیت سے مراد وہ تحریک ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے مد مقابل اپنا ایک نظام معیشت لے کر میدان میں آئی "[32]

اشتراکیت کے نظریات بنیادی طور پر افلاطون کے فلسفہ کے ساتھ ملتے ہیں، افلاطون نے انفرادی ملکیت کی کشمکش کو اجارہ داری کا سبب گردانا ہے، جس کے حل میں اس نے تمام دولت اور وسائل کی نجی ملکیت کی بجائے ان کی اجتماعی حیثیت کو ترجیح دینے کا تصور پیش کیا ہے۔ اس تناظر میں بلال زبیری افلاطون کے خیالات کی ترجمانی کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں:

" جس طرح فرد کی ملکیت اس کے تمام خاندان کے لیے وقف ہے اور خاندان کی ملکیت پوری سوسائٹی کے لیے ہے ،اسی طرح سوسائٹی کی ملکیت پوری کی پوری مملکت کے قبضے میں ہونی چاہیے کیونکہ مملکت اپنے شہریوں کی کفیل ہوتی ہے اور جو مملکت اپنے شہریوں کی کفیل نہیں بنتی وہ مملکت نہ ہی کہلا سکتی[33]"

(الف)اجتماعی ملکیت:

اشتراکیت میں وسائل پیداوار یعنی کارخانے، زمین، جائیداد، وغیرہ کسی نجی ملکیت میں نہیں ہوں گے جیسا کہ سرمایہ دارانہ نظام میں لامحدود نجی ملکیت کی وجہ سے انسان میں دولت کے جمع کرنے کی لالچ اور ہوس پیدا ہو جاتی ہے، سرمایہ سمیٹ کر ایک جگہ اکٹھا ہونا شروع ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں انسان سرمائے کے حصول

---

[29]ایضاً29/1۔

[30]جاوید اکبر انصاری، مغربی تہذیب کا اساسی نظام اور اس کی استعماری توسیع سرمایہ دارانہ نظام ایک تعارف (لاہور: کتاب محل، س ن)7/1۔

[31]زاہد صدیق مغل، جاوید اکبر انصاری، سرمایہ دارانہ انفرادیت کا حال اور مقام (2)(گوجرانولہ: مجلہ ماہنامہ الشریعہ، شمارہ8، اگست 2012)17/1۔

[32]فرحان، اردو لغت تاریخی اصول پر (کراچی: ناشر ترقی اُردو بورڈ، 1977)96/1۔

[33]بلال زبیری، اسلامی حکومت اور سوشلزم (جھنگ: ادبی اکیڈمی، 1972)34/1۔

کے لیے جائز وناجائز کی تمیز کھو بیٹھتا ہے، لیکن اشتراکیت کے دعویٰ کے مطابق تمام تر وسائل پیداوار پر حکومت کا قبضہ ہونے کی وجہ سے دولت کی تقسیم منصفانہ ہو گی جس میں سود کا تصور مفقود ہونے کے ساتھ ساتھ دولت کا ارتکاز بھی نہیں ہو گا جو کہ کئی معاشی و معاشرتی خرابیوں سے رکاوٹ کا سبب بنے گا۔

(ب) معاشرے کی فلاح:

اشتراکیت کا دعویٰ یہ تھا کہ اجتماعی ملکیت کا ہونا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ حکومت اس سے ایسی پالیسی آسانی سے تیار کر سکتی ہے کہ جس سے تمام معاشرے کی فلاح ہو اور دولت کی تقسیم منصفانہ ہو، اسی طرح قومی ملکی منصوبے اور ملک کی تمام ضروریات کو پایہ تکمیل تک پہنچانا نہایت سہل ہو جاتا ہے۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

روس میں افراد کے قبضے سے زمین، کارخانے اور تمام کاروبار نکال لینے سے یہ ہوا کہ اشیاء کی لاگت اور ان کی بازاری قیمت کے درمیان جو منافع پہلے زمیندار کارخانہ دار اور تاجر لے کر لے جاتے تھے اب حکومت کے خزانے میں آنے لگا اور ممکن ہوا کہ اس منافع کی کو اجتماعی فلاح کے کاموں پر صرف کیا جا سکے، اور دوسرا نامساعد حالات کے پیش نظر بعض لوگ کام کاج کے قابل نہیں رہتے مثلا بوجہ بیماری یا معزوری توان لوگوں کو ایک مشترکہ فنڈ سے مدد دی جاتی ہے[34]"

(ج) اشتراکی ناانصافیاں:

اشتراکیت نے دولت کی منصفانہ تقسیم اور اجتماعی فلاح کے اس نعرے کی آڑ میں دولت، سرمائے اور ذرائع معاش کو سرمایہ دارانہ چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں کے چنگل سے چھڑا کر ایک بڑے سرکاری سرمایہ دار کے چنگل میں پھنسا دیا۔ علامہ شمس الحق افغانی رحمت اللہ علیہ لکھتے ہیں ۔

"اس تحریک کا مقصد انسانوں کو سرمایہ داروں کے ظلم سے نجات دلانا تھا اس لیے کمیونسٹ حکومتوں نے ذرائع معاش پر قبضہ کیا لیکن درحقیقت انہوں نے تمام سرمایہ داروں کو مٹا کر ذرائع معاش کو ایک سرمایہ دار کے ہاتھ میں دے دیا[35]"

چنانچہ عوام کے لیے اس اشتراکی حکومت کی طرح سے ظلم اور زیادتی کے صورت میں کوئی دوسرا راستہ موجود نہیں ہے جو افراد کا دست بازو بن کر ان کی فریاد رسی کر سکے سوائے اس زیادتی اور ظلم کو مجبوراً اپنے اوپر نافذ کرنے کے کیونکہ ہر چیز خود اسی حکومت کے ہی قبضے میں ہے، جو عوام سے دو وقت کی روٹی کے لیے کولہو کے بیل کی طرح کام کرواتی ہے، جس کے مطابق انہیں معاوضہ نہیں دیا جاتا۔ اور دولت ایک ہی جگہ پر مرتکز ہو کر رہ جاتی ہے۔

آرویل جارج اپنی کتاب Animal Farm میں لکھتا ہے:

"اشتراکی نظام میں سب برابر، مگر کچھ زیادہ برابر ہیں[36]"

اشتراکی حکومتیں مزدوروں کو کارخانوں میں انتہائی سخت محنت پر مجبور کرتی ہیں جہاں ان کی پیدا کردہ تمام اشیاء پر ریاستی کنٹرول ہوتا ہے۔ حکومت ان مصنوعات کو اپنی مقرر کردہ قیمتوں پر فروخت کرتی ہے، جس پر عام مزدور کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ بظاہر مزدوروں کو دیگر ممالک کی نسبت کچھ زیادہ اجرت دی جاتی ہے، تاکہ حکومتی پروپیگنڈے کو تقویت ملے لیکن حقیقت میں یہ اجرت بھی ریاست کی ہی قابو میں رہتی ہے۔ مزدور اپنی محنت سے تیار کردہ اشیاء کو خریدنے کے لیے وہی اجرت خرچ کرتے ہیں مگر ان پر ریاست کی اجارہ داری ہونے کے باعث قیمتیں اس حد تک بڑھادی جاتی ہیں کہ وہ اپنی کمائی کا ایک بڑا حصہ دوبارہ حکومت کو لوٹا دیتے ہیں۔ نتیجتاً حکومت جو کچھ بظاہر اضافی اجرت کے طور پر دیتی ہیں وہ دگنا یا بعض اوقات اس سے بھی زیادہ واپس حاصل کر لیتی ہے، یوں مزدوروں کو کسی حقیقی معاشی فائدے کے بغیر محض ایک سرکاری چکر میں الجھا کر رکھا جاتا ہے۔

3)۔ اسلام اور تقسیم دولت{Islam and distribution wealth}

تاریخ میں مختلف معاشی نظام متعارف کرائے گئے تاکہ دولت کی منصفانہ تقسیم ممکن ہو لیکن عملی طور پر چاہے وہ سرمایہ دارانہ نظام ہو، اشتراکی ہو، یا کوئی اور ماڈل، حقیقی انصاف فراہم کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام ایک متوازن اور عادلانہ معاشی نظام پیش کرتا ہے، جس میں دولت کی منصفانہ تقسیم کے لیے جامع اصول وضع کیے گئے ہیں۔ یہ اصول انسانی ضروریات، معاشی استحکام اور معاشی مساوات کو مدنظر رکھتے ہیں۔ اسلامی معیشت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ دولت چند

34 ابوالاعلیٰ مودودی، اسلام اور جدید معاشی نظریات 54/1۔

35 شمس الحق افغانی، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ، 42/1۔

36 Orwell, George. Animal Farm, (London: Secker and Warburg, 1945)1/37.

مخصوص افراد، یا طبقات تک محدود نہ رہے بلکہ پورے معاشرے میں منصفانہ بنیادوں پر گردش میں رہے۔ تاکہ ہر فرد کو اس کے معاشی حقوق حاصل ہو سکیں۔ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

"كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاۤءِ مِنْكُمْ[37]"

تاکہ وہ دولت تمہارے مالداروں کے درمیان گردش کرنے والی نہ ہو جائے۔

اسلامی اصول:

اسلام میں دولت کی منصفانہ اور متوازن تقسیم کے لیے اہم اصول متعین کیے گئے ہیں جو قرآن و حدیث کی تعلیمات پر مبنی ہیں۔ ان اصولوں کو عملی طور پر نافذ کر کے ایک ایسا معاشی نظام تشکیل دیا جا سکتا ہے، جو عدل و انصاف پر مبنی ہو اور سماج میں معاشی استحکام کو یقینی بنائے۔

(الف) ملکیت کا تصور:

اسلام ملکیت کا انتہائی متوازن اور عادلانہ تصور پیش کرتا ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کی طرح نہ تو مطلق طور پر نجی ملکیت کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی اشتراکیت کی طرح مکمل طور پر قومی ملکیت گردانتا ہے۔ بلکہ اسلامی معاشی نظام دولت کی ہر ایک شکل کو حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور انسان کے مالکانہ حقوق کو عطاء باری تعالیٰ قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ قران مجید کی ذکر کردہ آیات مبارکہ سے واضح ہوتا ہے:

آیت (1)

"وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ[38]"

اور انہیں اللہ کے اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔

آیت (2)

"وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ[39]"

اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کی بادشاہی ہے۔

آیت (3)

"لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ[40]"

تاکہ وہ اس کے پھلوں میں سے کھائیں، اور یہ ان کے ہاتھوں کا بنایا ہوا نہیں پھر کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے؟

ان آیات بینات سے واضح ہوتا ہے کہ دولت کی ہر صورت کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے ہر چیز اسی کی ہی پیدا کردہ ہے۔ اسی کے اختیار میں ہے کہ وہ جسے چاہے اس میں تصرف کا حق دے۔ جو اسی کے بتائے ہوئے قوانین اور احکامات کے تابع ہو گا۔

(ب) دولت کے حقدار:

اسلام صرف عاملین پیدائش کو ہی دولت کا حقدار قرار نہیں دیتا بلکہ اس میں کچھ وہ نادار، فقراء، اور مساکین افراد بھی شامل کرتا ہے جو محروم المعیشت ہیں جن تک حق پہنچانے کا اس مالک حقیقی نے حکم دے کر حقیقتاً استحکام کو ثابت کر دیا ہے۔ اور اس حق کے پہنچانے میں احسان کی نفی فرمادی کہ ان تک پہنچانا احسان نہیں بلکہ ان کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ[41]"

اور ان کے مالوں میں حق تھا منگتا اور بے نصیب کا

---

[37] القرآن: 59/7۔

[38] القرآن: 24/33۔

[39] القرآن: 5/120۔

[40] القرآن: 36/35۔

[41] القرآن: 70/24

دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

"وَ اٰتُوا حَقَّهٗ يَومَ حَصَادِهٖ"[42]

اور جب ان کی کٹائی کا دن آئے تو ان کا حق ادا کرو

آیات بالا سے واضح ہوتا ہے کہ دولت کا استحقاق صرف اس کی پیداوار میں حصہ لینے والوں تک ہی محدود نہیں، بلکہ وہ مفلس اور ضرورت مند افراد بھی اس کے مستحق ہیں جنہیں اللہ نے اس کا حقدار ٹھہرایا ہے۔ اسلام کی نظر میں دولت کی منصفانہ تقسیم یہی ہے کہ تمام عوامل پیدائش کو ان کی محنت کا صلہ ملنے کے بعد وہ افراد بھی اس میں شامل ہوں جو مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ اس طرح دولت کا بہاؤ معاشرے کے تمام طبقات تک پہنچتا ہے، تاکہ کوئی بھی بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہے۔

محنت:

اسلام قطعاً یہ نہیں کہتا کہ لاپرواہی کر کے مل جانے کی لالچ رکھ کر رزق نہ کمایا جائے بلکہ اسلام میں پہلی شرط محنت اور سعی رزق ہے، اللہ رب العزت نے انسان کو پیدا فرما کر اس کے لیے وسائل رزق مہیا فرمائے ہیں اور انسان کو اپنی کوشش کے ساتھ انہیں حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"[43]

پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو اس امید پر کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

محنت سے کمائی کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ."[44]

کسی انسان نے کبھی ایسا کھانا نہیں کھایا جو اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر ہو، اور بے شک اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسب حلال کو فریضہ قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

"طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ"[45]

حلال روزی طلب کرنا فرض نماز کے بعد ایک اور فرض ہے

(ج) معاشی اصول کا موازنہ:

اسلام معیشت کو متوازن سمت پر چلانے کے لیے جیسے احکامات جاری کرتا ہے اسی طرح کچھ پابندیاں اصولوں کی شکل میں بھی عائد کرتا ہے۔ وہ درج ذیل دو قسم کی ہیں۔

خدائی پابندیاں:

اسلام نے انسانی زندگی کے تمام معاملات کی طرح معاشیات کے باب میں بھی حلال و حرام کے کچھ احکامات اور کچھ حدبندیاں جاری کی ہیں جن کی اپنی الگ ابدی حیثیت ہونے کے ساتھ ساتھ ہر زمانے میں اور ہر جگہ ان پر عمل کرنا لازمی ہے۔ اسلام ان پابندیوں کو انسانی عقل کا محتاج نہیں ٹھہراتا بلکہ وحی الٰہی ان کا اصل منبع اور ماخذ ہیں خدا کے انسانی عقلوں میں تفاوت معاشرے کو ان پابندیوں سے آزاد کروا کر معاشرے کو معاشی بے راہ روی کا شکار نہ بنا دے۔ مثال کے طور پر سود، قمار، سٹہ بازی، اکتناز، احتکار، کے علاوہ باقی تمام بیوعات باطلہ کو ناجائز قرار دیا جن سے معاشرہ معاشی بداخلاقی غیر منصفانہ تقسیم دولت اور فرسودگی کا شکار ہو۔ چنانچہ مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

---

[42] القرآن: 6/141۔

[43] القرآن: 62/10۔

[44] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ، 3/58۔

[45] ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی، السنن الکبری، کتاب الاجارہ، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ (حیدر آباد الہند: مجلس دائرۃ النظامیہ، 1344)6/128۔

"فَلَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ مِنَ الْمُكْتَسِبِينَ أَنْ يَكْسِبَ الْمَالَ بِطَرِيقَةٍ غَيْرِ مَشْرُوعَةٍ مِنَ الرِّبَا وَالْقِمَارِ وَالتَّخمِينِ وَسَائِرِ الْبُيُوعِ الْفَاسِدَةِ أَوِ الْبَاطِلَةِ[46]"

لہٰذا کسی بھی کمائی کرنے والے شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنا مال کسی غیر شرعی طریقے سے حاصل کرے، جیسے سود، جوئے، ناجائز منافع خوری، یا دیگر فاسد اور باطل بیوع کے ذریعے۔

ریاستی پابندیاں:

خدائی ابدی پابندیوں کے بعد اسلامی حکومت وقت کو یہ اختیار دیتا ہے کہ اگر تمام معاملات عین شریعت اسلامیہ کے مطابق چل رہے ہوں تو مداخلت نہ کرے اور اگر مباحات وغیرہ سے اجتماعی خرابی لازم آ رہی ہو تو عمومی مصلحت کے تحت پابندی لگا سکتی ہے، تاکہ معاشی ناہمواریوں کا سدباب کیا جاسکے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک دفعہ بازار تشریف لائے اور دیکھا کہ ایک شخص چیز کو اس کے معروف نرخ سے بہت کم داموں میں فروخت کر رہا ہے۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لِبَعْضِ التُّجَّارِ:أَمَّا أَنْ تَزِيدَ فِي السِّعْرِ، وَإِمَّا أَنْ تَرْفع منْ سُوقِنَا[47]"

حضرت عمر بن الخطابؓ نے بعض تاجروں سے فرمایا: تو تم اپنی قیمت میں اعتدال پیدا کرو، ورنہ ہمارے بازار سے چلے جاؤ۔

حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ اگر اولی الامر کسی معاملے میں عمومی مفاد یا کسی مصلحت عامہ کی وجہ سے کوئی پابندی عائد کرنا چاہے تو اسے اختیار ہے۔ جیسا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے معروف قیمت سے کم بیچنے پر پابندی عائد کی، گویا کہ آپ کا پابندی لگانا کسی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے اس کے کم نرخ سے زرخیز اندوزی یا لوگوں کا وہ چیز ضرورت سے زیادہ مقدار میں خریدنا اسراف کا سبب بن سکتا ہو۔ اولی الامر کی لگائی گئی پابندی پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں باری تعالی ہے:

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ[48]"

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے حکومت والے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ اولی الامر کی اطاعت واجب العمل ہے۔ البتہ ایک بات واضح رہے کہ یہ اطاعت اس وقت ہو گی جب قرآن وحدیث سے کوئی حکم نہ ملے دوسرا یہ کہ پابندیاں قرآن وحدیث کے کسی حکم کے متضاد نہ ہوں، اگر حکم اولی الامر کسی حکم شرعی سے متصادم ہو اور اس میں کوئی اجتماعی مصلحت نہ ہوئی تو وہ واجب العمل نہیں ہو گا کیونکہ اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ مخلوق کی اطاعت جائز نہیں جب خدائی حکم آجائے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ[49]"

خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔

اور فقہی قاعدہ ہے کہ:

"التصرف على الرعية منوط بالمصلحة[50]"

عوام پر حکومت کے اختیارات مصلحت کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔

لہٰذا اولی الامر کے پابندی لگانے میں کوئی اجتماعی مصلحت نہ ہوئی تو قاضی اس پر پابندی کو ختم کرنے کا حق رکھتا ہے۔

نتیجہ {Conclusion}

- کسی بھی ملک کی ترقی اور استحکام کے لیے دولت کی منصفانہ تقسیم بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔
- دولت کا چند مخصوص طبقوں تک محدود رہنا معاشرتی عدم توازن اور ناہمواری کو جنم دیتا ہے۔
- وسائل اور دولت کے غیر مساوی ارتکاز سے عوامی سطح پر غربت اور بے روزگاری میں اضافہ ہوتا ہے۔
- معاشی عدم مساوات کے باعث عوام کے لیے ترقی اور بہتر معیارِ زندگی کے مواقع محدود ہو جاتے ہیں۔

---

46 محمد تقی عثمانی، تکملہ فتح الملھم، کتاب البیوع، المذہب الاقتصادی الاسلامی (کراچی: مکتبہ دارالعلوم، س ن) 1/312۔

47 مالک بن انس، الموطا، کتاب البیوع، باب الحکرۃ والتربص (کراچی: قدیمی کتب خانہ س ن) 1/591۔

48 القرآن: 4/59۔

49 ولی الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ التبریزی، مشکاۃ المصابیح، کتاب الامارۃ والقضاء، الفصل الثانی (بیروت: دارالکتب العلمیہ، 1424) 8/3۔

50 احمد الحجی الکردی، القواعد الفقہیۃ الکلیہ، القاعدۃ الثامنا: نظریۃ الولایہ (کویت: وزارت الوقف والشوون الاسلامیہ بدولت الکویت، س ن) 1/85۔

- پائیدار ترقی کے لیے ضروری ہے کہ ریاست وسائل کی منصفانہ تقسیم اور سماجی انصاف کو یقینی بنائے۔

سفارشات{Recommendations}

- ایسا نظام قائم کیا جائے جو دولت کی منصفانہ گردش اور مساوی معاشی مواقع کو یقینی بنائے۔
- حکومت فلاحی منصوبے، متوازن تنخواہی ڈھانچہ، اور مؤثر ٹیکس پالیسی نافذ کرے۔
- زکوٰۃ اور غیر سودی مالیاتی نظام کو فروغ دے کر دولت کی منصفانہ تقسیم ممکن بنائی جائے۔
- بجٹ میں عوامی ضروریات کو ترجیح دی جائے اور وفاقی حکومت کا حجم آئینی تقاضوں کے مطابق کم کیا جائے۔
- جائیداد ٹیکس کا اختیار مقامی حکومتوں کو دیا جائے اور بڑے مالکان کی آمدنی کو ٹیکس کے دائرے میں لایا جائے۔